نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل

ماورا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگائی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منور نعیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا" کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتمیزی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منور ثمینہ اور نیلو کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیلو کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔



اشتیاق یزدانی "آفاق" سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر' تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی بارات میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا' عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کرتی ہے۔ ماورا پی کل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ پی کل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر' ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کر دیتا۔ تیمور' ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کے وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات تیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

آفاق کو بھی رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آکر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ مگر فارہ اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور' فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے جسے ماورا کافی حیل حجت کرنے کے بعد قبول کر لیتی ہے۔

۱۳

تیرہویں قسط

"یہ پاگل پن ہے عزت۔۔۔ سراسر پاگل پن اور میں اس کے حق میں بالکل بھی نہیں ہوں۔" ولید نے اپنے تاثرات بمشکل کنٹرول کرتے ہوئے اسے سمجھانے کی اک سعی کی۔

"یعنی کہ تم میرے حق میں نہیں ہو۔۔۔؟" عزت اپنے جنون کی جنوں خیزی سے نکلی ولید جواباً چپ ہو گیا۔

"بتاؤ ناں ولید۔۔۔! تم میرے حق میں ہو یا نہیں ہو۔۔۔؟" اس کا جنون منہ زوری کا انتہا پہ تھا۔

"ولید۔۔۔! تم چپ کیوں ہو۔" وہ چیخ اٹھی۔

"کیونکہ یہ سوال فضول ہے۔۔۔" ولید کی مختصری چپ ٹوٹی۔

"اچھا۔۔۔ پھر بھی تم جواب دو۔۔۔ تم میرے حق میں ہو یا نہیں ہو۔۔۔" اس کے سوال اور نظروں کا مرکز ولید رحمان کا چہرہ تھا اور سوال کی شدت اور جواب کی طلب میں ہر گزرتے پل کے حساب سے اضافہ ہو رہا تھا۔

"عزت! میں یہ سب نہیں چاہتا۔" ولید نے بہلانے والا طریقہ اختیار کیا۔

"یعنی کہ تم مجھے نہیں چاہتے۔۔۔" اس نے اس کی بات سے جواب اخذ کیا جو ولید کو تذبذب میں ڈال گیا۔

"عزت پلیز۔۔۔! کیوں الٹے سیدھے سوال کر رہی ہو۔۔۔؟" ولید کے لہجے میں جھنجلاہٹ کا عنصر تھا۔

"کیونکہ تم الٹے سیدھے جواب دے رہے ہو۔۔۔ جبکہ میں ایک سیدھا سادہ جواب مانگ رہی ہوں۔۔۔ تم میرے حق میں ہو یا نہیں ہو؟ ہاں یا ناں بس ایک جواب۔" عزت کے مزاج میں اس کی پرانی ہٹ دھرمی کا رنگ عود کر آیا۔ اور ولید رحمان اپنے مزاج کی سوچ میں جا اترا۔۔۔

"نہیں۔۔۔ میں تمہارے پاگل پن کے حق میں نہیں ہوں۔۔۔ ہرگز نہیں۔"

ولید کا سر نفی میں ہلا اور عزت کی پوری دنیا ہی نفی میں ہل گئی۔

اس کے چہرے پہ اک سرمئی سایہ سا لہرایا اور دل کے اندر اک طوفانی ابال سا اٹھا جسے وہ بڑی مشکل کر پڑی

ہمت سے دبا گئی۔

جنون جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور جسم ٹھنڈا یخ۔۔۔ برف کی مانند۔

اور زبان منہ میں ایسے ساکت ہو گئی تھی جیسے بے جان ہو اور وہ اسی۔۔۔ دل میں اٹھتے ابال۔۔۔ یخ جسم اور ساکت ہوتی زبان کے ساتھ اپنا بیگ کندھے پہ ڈالتے ہوئے اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور یونہی اس کے قدم ایک پل کے لیے غیر متوازن سے ہوئے مگر اس نے یکدم کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کرسی کا سہارا لے لیا۔

"عزت۔۔۔! میری بات سنو۔" ولید اسے یوں اٹھتے دیکھ کر ٹھٹکا کیونکہ اسے عزت سے ایسے ردعمل کی توقع نہیں تھی کہ وہ یوں بغیر کچھ کہے اٹھ کھڑی ہو گی۔۔۔ اور چل دے گی۔

"عزت۔۔۔!" جب وہ اس کے پکارنے پر بھی نہ رکی تو ولید نے یکدم بے اختیار اس کی کلائی پکڑلی اور عزت کے واپسی کے لیے اٹھتے قدم بھی یکدم رک گئے۔

"میرا ہاتھ چھوڑو۔۔۔" عزت کا لہجہ صدیوں کی اجنبیت لیے ہوئے تھا۔۔۔ اس نے اضطراری طور پر ہاتھ پکڑ لیا تھا گھبرا کر چھوڑ دیا۔

"تم میری بات سنو۔" ولید نے اپنی بات پہ زور دیا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔" عزت کا وہی لہجہ اور انداز تھا۔

"لیکن میں بات کرنا چاہتا ہوں۔۔۔" وہ بھی ایک ہی بات پہ اڑ چکا تھا۔

"میں نے کہا۔" اس کی ہٹ دھرمی عروج پر تھی۔

"میں اپنی بات کیے بغیر تمہیں جانے نہیں دوں گا۔" ولید نے اس رنگ میں بات کی، جس رنگ میں عزت سننا چاہتی تھی۔۔۔ مگر اب نہیں۔۔۔ اب وقت گزر چکا تھا۔۔۔ چند ساعتیں قبل۔۔۔!

"تم مجھے نہیں روک سکتے ــــــ اس استحقاق کا وقت گزر گیا اب میری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھو گے تو مجھے ناگوار گزرے گا۔۔۔ اتنا ناگوار کہ میرا جی چاہے گا کہ تمہارے دیکھنے کے بعد اپنا آپ ہی جلا ڈالوں۔۔۔"

عزت کی اتنی سنگین اور اتنی سفاک بات پہ ولید کو بے ساختہ جھرجھری سی آگئی اور وہ لرز اٹھا۔۔۔

"مگر عزت۔۔۔!" اس نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

"اب عزت نہیں۔۔۔ بے عزت کہو مجھے کیونکہ تمہاری نظروں میں خود کو اپنے مقام سے گرا کر اب ایسی ہی ہو گئی ہوں۔۔۔" وہ بولی مگر انتہائی زہر خند اور تلخ سے لہجے میں۔۔۔ جو ولید کو بھی کاٹ کے رکھ گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہنے کی کوشش کرتا، وہ یکدم پلٹی اور ریسٹورنٹ کی حدود سے ہی نکلتی چلی گئی تھی اور ولید بے بس و لاچار سا کھڑا رہ گیا تھا۔۔۔!

☼ ☼ ☼

اس کے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی دیر تھی کہ اس کے آنسو بھی اسٹارٹ ہو گئے۔

ولید رحمان کا جواب اسے اپنے چہرے پہ اک زوردار تھپڑ کی طرح محسوس ہوا۔

جس کی تکلیف کی شدت اسے روح تک تڑپا گئی تھی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

گاڑی روڈ پہ ڈالتے ہی اس کی آنکھیں دھندلا گئی کیونکہ زارو قطار بہتے آنسوؤں میں روانی بہت تھی۔۔۔ وہ اپنی پوری زندگی میں اس شدت سے اور ہچکیوں سے نہیں روئی تھی اور آج اگر روئی بھی تو ولید رحمان کی وجہ سے۔۔۔ اور عزت کو کچھ تکلیف اس چیز کی بھی تھی کہ وہ فطری طور پہ بہت ہی لاپروا اور آزاد خیال لڑکی تھی۔۔۔ اس نے

کبھی لڑکوں کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا' حالانکہ آج تک یونیورسٹی اور کالج میں رہتے ہوئے ہزاروں ہاتھ اس سے دوستی کے لیے اور پسندیدگی کے نام پہ آگے بڑھے 'لیکن اس نے کبھی کسی کو لفٹ ہی نہیں کروائی نہ ہی اس چیز کا کوئی نوٹس لیا تھا۔

لیکن اب اچانک ولید رحمان کی چاہ میں مبتلا ہو کر وہ عزت ___ عزت ہی نہیں رہی۔

خود اپنی ہی نظروں میں گر گئی تھی۔

کیونکہ وہ اس سے محبت اور محبت کے جنون میں اپنے مقام سے بہت نیچے آگئی تھی اور وہ سب اظہار کروا لے جن کے بارے میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔

لیکن پھر بھی حاصل کیا ہوا ___؟ نفی!

اور اب اس نفی کے بعد اس کے دل میں دکھ کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اور یہی دکھ تمام راستے اسے رلاتے ہوئے گھر لایا۔ کیونکہ دکھ دینے والا خود ولید رحمان تھا' وہ اس کی محبت اور جذبات کی قدر نہیں کر سکا' بلکہ اس نے پروا ہی نہیں کی اور سب سے قیمتی چیز عزت کو مار گئی۔

لیکن گھر پہنچتے ہی وہ ایک بار پھر ٹھٹکی۔

ڈرائنگ روم میں مونس مرزا براجمان تھا۔

"عزت ___!" رضا حیدر اسے دیکھ کر پکارے۔

مگر عزت کوئی بھی جواب دیے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی کیونکہ وہ ایسی حالت اور کیفیت میں ہی نہیں تھی کہ کسی کا اس وقت سامنا کر پاتی ___ اس لیے نظروں سے اوجھل رہ کر بھرم ہی رکھ لیا جاتا تو بہتر تھا۔ رضا حیدر نہیں جانتے تھے کہ وہ کس حال میں ہے ___؟

جبکہ مونس مرزا اس کی آنکھوں کی سرخی اک نظر میں ہی بھانپ گیا۔ جس کو محسوس کر کے اس سے وہاں بیٹھنا بھی محال ہو گیا اس لیے وہ بہت جلد رضا حیدر سے دعا سلام اور الوداعی کلمات ادا کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گیا ___ مگر عزت حیدر کی بکھری بکھری سی حالت اس کے ذہن سے محو نہیں ہو سکی۔

شاید اس لیے کہ وہ ایسے تجربات سے بارہا گزر چکا تھا ___ اسی لیے وہ عزت کی ایسی کیفیت اور ایسی حالت کو سیکنڈوں میں ہی سمجھ گیا' مگر اب اصل وجہ سمجھنا باقی تھی ___!

☼ ☼ ☼

ماورا آج عافیہ بیگم اور ملی گل کو لے کر قبرستان گئی تھی ___

اور علی مرتضیٰ کی قبر پہ جا کے عافیہ بیگم نے اپنے پچیس سالوں کے تمام دکھ ایک ساتھ ہی رو دیے ___ جن کو سمیٹتے سمیٹتے ماورا اور ملی گل ہلکان ہو گئی ___

اور پھر واپسی میں جیسے تیسے انہیں اپنے ساتھ لے کر گھر آئی۔

"امی ___! یہ ٹیبلٹ کھا لیں ___ سر درد ٹھیک ہو جائے گا ___" ماورا نے عشا کی نماز کے بعد انہیں میڈیسن دی اور انہیں بیڈ پہ لٹانے کے بعد خود ان کے کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر نکل آئی اور تھکے تھکے قدموں سے چلتی ہوئی ٹی وی لاؤنج کے صوفے پہ آ بیٹھی۔

چند لمحے یونہی صوفے کی پشت سے سر ٹکانے کے بعد اس نے اک گہری سانس کھینچی اور قریب ہی صوفے پہ رکھا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا ___ کوئی ڈرامہ آ رہا تھا۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں تحمل۔۔۔!" ہیرو یقین دلا رہا تھا۔
"مگر مجھے تمہاری محبت کی کوئی ضرورت نہیں ہے سرور!" ہیروئن کی بے اعتباری اور بے رخی کمال کی تھی۔
"تحمل۔۔۔ محبت سے منہ مت پھیرو۔۔۔ محبت کی ضرورت تو ہر انسان کو ہے۔۔۔ انسان ادھورا ہے محبت کے بغیر۔"
ہیرو اپنے ڈائیلاگز آزما رہا تھا۔
"تمہاری محبت کے بغیر میں ادھوری ہوں تو ادھوری ہی ٹھیک ہوں۔" ہیروئین مان ہی نہیں رہی تھی۔
"آخر تم خفا کیوں ہو۔۔۔؟ تم اپنے دل کی بات کہو ناں۔۔۔ میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔۔۔ جو تم کہو گی میں وہی کروں گا۔۔۔ تمہاری ہر خواہش، چاہت پوری کروں گا۔۔۔ تم ایک بار کہو تو سہی۔"
وہ بار بار اصرار کر رہا تھا اور ماورا نے ناگواری اور جھنجلاہٹ سے بے اختیار ریموٹ کنٹرول ہی پرے پٹخ دیا۔
"ہونہہ محبت۔۔۔ نام نہاد محبت۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔
"ارے۔۔۔ اس کو دھتکار رہی ہو۔۔۔ محبت کو؟" بی گل عشا کی نماز سے فارغ ہو کر تسبیح ہاتھ میں پکڑے اپنے کمرے میں جا رہی تھیں جب ٹی وی لاؤنج سے سنائی دیتی ٹی وی کی آواز سن کر وہ بھی ادھر ہی آگئیں کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ٹی وی لاؤنج میں ماورا ہی ہو گی۔۔۔
"محبت کو نہیں۔۔۔ محبت کے ڈرامے کو دھتکار رہی ہوں۔۔۔ جو محبت کے نام پہ ہر دوسرے آدمی کا مشغلہ بن چکا ہے۔" ماورا کے لہجے میں اک عجیب سی چڑ تھی۔۔۔ اور وہ اسی چڑچڑے انداز میں ان کی طرف متوجہ ہوئی۔۔۔
"یہ ڈرامہ تو تم خود بھی کر رہی ہو۔۔۔" بی گل بڑی صاف گوئی سے کہتی پچھلی سائیڈ سے آکر اس کے برابر ہی صوفے پہ بیٹھ گئیں۔۔۔
"آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ میں۔۔۔ ایسے ڈرامے کر رہی ہوں؟" ماورا کو ان کی بات بہت بری طرح لگی۔
"کہنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔" بی گل اطمینان سے کہہ رہی تھیں۔۔۔
"آپ نے دیکھا ہی تو نہیں ہے بی گل۔۔۔! دیکھ لیں تو جان جائیں کہ آپ کی ماورا کوئی ڈرامہ نہیں کرتی۔۔۔ جو بھی کرتی ہے۔۔۔ صاف سامنے کرتی ہے۔" اس نے تنک کے جواب دیا۔
"پھر بھی تیمور حیدر تم سے محبت کرتا ہے؟" انہیں حیرانی ہوئی۔
"وہ مجھ سے محبت نہیں کر رہا۔۔۔ بلکہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہے۔ ایسا دھوکا جو آج کل ہر لڑکا لڑکی اپنے آپ کو دے رہے ہیں۔۔۔ جانتے بھی ہیں کہ اس معاشرے میں محبت کا وجود ناپید ہو چکا ہے پھر بھی محبت۔۔۔ محبت کی رٹ لگائے پھر رہے ہیں۔ محبت آپ کے ہزار طرح کے چونچلوں سے ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ محبت تو انسان کے کسی ایک عمل یا کسی ایک کیفیت سے ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔۔۔ اس کے لیے اپنے مقام، اپنے مرتبے اور اپنی انا کے تخت سے نیچے آنا اور لفظوں کے ہیر پھیر سے اظہار کرنا ضروری نہیں ہوتا۔۔۔ محبت نے محسوس ہونا ہو تو وہ کسی بھی عمل، کسی بھی کیفیت اور کسی بھی اظہار کے بغیر ہی محسوس ہو جاتی ہے۔۔۔ ہاں یہ شرط لازم ہے کہ محبت سچی ہو۔۔۔ کھوٹ کا تڑکا نہ ہو۔"
ماورا کا ہر چیز کے بارے میں اپنا ہی اک فلسفہ ہوتا تھا اور بی گل اس کے اس فلسفے پہ ہمیشہ ہی مسکرا دیتی، کیونکہ کبھی کبھی ماورا کی باتیں سن کر انہیں یہی لگتا کہ ان کے سامنے بھی اک بی گل ہی بیٹھی ہے۔ کبھی بڑی معصوم اور کبھی بڑی جہاندیدہ۔۔۔!
"دیکھو میرا بچہ۔۔۔! تمہاری باتوں سے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم تیمور حیدر کی محبت کو محسوس کر چکی ہو۔۔۔ اور محبت کو کبھی بھی محسوس نہ کرنے والا۔۔۔ جب اسے اپنے آس پاس محسوس کرنے لگتا ہے تو اسے اسی طرح

دھتکارنے کی کوشش کرتا ہے جیسے کہ تم کر رہی ہو۔۔۔ محض اس ڈر سے کہ کہیں یہ تم سے عشق نہ چمٹ جائے۔۔۔ حالانکہ تم نہیں جانتیں کہ دل کے جذبوں پر یہ کوششیں بے اثر ہوتی ہیں۔"

بی گل کا بھی اپنا ہی ایک فلسفہ زندگی تھا' لیکن ماورا اکثر ان کے فلسفے اور ہدایات سے اختلاف کر جاتی۔

"مجھے ایسا کوئی ڈر نہیں ہے بی گل۔۔۔ میں اس معاملے میں پوری طرح سے نڈر ہوں۔۔۔ کیونکہ مقابل رضا حیدر کا بیٹا ہے۔۔۔ وہ نہ ہوتا۔۔۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید میں آپ کے اس فلسفے سے اتفاق کر ہی لیتی۔۔۔ لیکن یہاں پچویشن کچھ اور ہے۔" اس نے سختی سے ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"یہاں پچویشن کچھ اور ہے یہ میں بھی جانتی ہوں۔۔۔ لیکن میرا مشاہدہ کہتا ہے کہ محبت اتنی طاقت ور شے ہے کہ بڑے بڑوں کو جھکا لیتی ہے۔"

بی گل اسے ممکنہ حالات اور جذبات سے پہلے ہی آگاہ کر رہی تھیں۔۔۔ ماورا اچھل اٹھی۔

"میں تیمور حیدر نہیں ہوں بی گل۔۔۔ کہ اپنے مقام' مرتبے اور انا کے تخت سے نیچے آجاؤں"۔۔۔ اس نے تمسخرانہ کہا تھا۔

اور اس کے تمسخر پہ بی گل اس سے بھی زیادہ مسکرائیں۔

"ایک ماورا مرتضیٰ سے ملنے سے پہلے تیمور حیدر بھی ایسا تیمور حیدر نہیں تھا ماورا۔۔۔ اس کا بھی مقام تھا۔ مرتبہ تھا' انا تھی۔۔۔ مگر افسوس کہ محبت گلے پڑ گئی۔۔۔ اور اسے نیچے آنا پڑا۔"

بی گل کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ محبت کے حق میں بول رہی ہیں یا تیمور حیدر کے حق میں۔۔۔؟ "ہونہہ۔۔۔! تو وہ اتنا ہی کمزور تھا کہ محبت کے آگے چار دن بھی نہیں ڈٹ سکا۔۔۔ اور فوراً" ہتھیار ڈال دیے۔۔۔؟" اس کا طنز اور تمسخر ہنوز تھا' ماورا اس پہ بی گل چند ثانیے یونہی اسے دیکھتی رہیں' پھر ذرا توقف سے دوبارہ گویا ہوئیں۔

"کوئی کسی سلطنت کا بادشاہ ہو' یا بہت ہی امیر کبیر آدمی' کوئی کسی جھگی میں رہنے والا غریب ہو' یا در' در پھرنے والا فقیر۔ مرض چاہے کوئی بھی ہو انسان کو نڈھال کر ہی دیتا ہے' اسے اپنے مقام' مرتبے اور انا کے تخت سے مجبوراً" نیچے آنا ہی پڑتا ہے اپنے حکیم کے لیے اور اپنے طبیب کے لیے۔۔۔ اور کچھ معالج تمہارے جیسے بھی ہوتے ہیں جو کسی کا علاج نہیں کرنا چاہتے۔۔۔ مگر مرض زدہ (مریض) کو منت سماجت بھی کرنا پڑ جاتی ہے۔۔۔ جیسے کہ تیمور حیدر کو کرنا پڑ رہی ہے۔۔۔ بی گل نے ــــــــ ذرا توقف لیا۔۔۔

"اس لیے تیمور حیدر کو الزام دینے والی تمہاری یہ منطق بالکل غلط ہے کہ وہ کمزور نکلا۔۔۔ ڈٹ نہیں سکا۔۔۔ ہتھیار کیوں ڈال دیے۔۔۔ مقام' مرتبے اور انا سے نیچے کیوں آیا۔۔۔؟ یہ کیوں کیا؟ وہ کیوں کیا۔۔۔؟ لیکن یہ وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑوں کو سر جھکانا پڑتا ہے۔" بی گل کہتے ہوئے بالآخر اٹھ کھڑی ہوئیں اور ماورا ان کی باتیں سن کر جوں کی توں اپنی جگہ پہ بیٹھی رہ گئی۔

"سو جاؤ شاباش۔۔۔! بہت ٹائم ہو گیا ہے۔۔۔ صبح پھر تمہیں محبت کی نوکری پہ بھی جانا ہے۔" بی گل اس کا سر تھپک کر پلٹ گئیں۔

"آپ نے یہ ساری باتیں مجھے کیوں سنائیں بی گل۔۔۔؟" وہ ٹی وی لاؤنج سے نکل رہی تھیں جب ماورا کی حد درجہ سنجیدہ سی آواز پہ انہیں ٹھہرنا پڑا۔

"میں نے تمہیں محبت اور نفرت کی اونچ نیچ سمجھائی ہے۔۔۔ تاکہ تم سنبھل جاؤ۔۔۔ اور کوئی اور راستہ اختیار کر لو۔۔۔ کیونکہ ابھی تو شروعات ہے۔۔۔ ابھی بھی وقت ہے۔۔۔ یہ نہ ہو کہ پھر تمہیں وقت بھی نہ ملے۔" وہ نرمی سے بولیں۔

"مگر یہ راستہ خود اس نے بچھایا ہے میرے سامنے۔" اس کا ہر الزام تیمور حیدر کے سر تھا۔

"وہ تو پلکیں بھی بچھائے گا۔ پھر کیا کرو گی؟" بی گل کا سوال برجستہ تھا۔

"وہی کروں گی جو میں کرنا چاہتی ہوں۔" اس کا لہجہ اٹل ہو رہا تھا۔

"محبت سے کھیل رہی ہے تو۔ اور محبت سے کھیلنا آگ سے کھیلنے کے برابر ہے۔" انہوں نے پھر سمجھایا

"جانتی ہوں۔!" وہی ہٹ دھرمی۔

"اللہ ہدایت دے تجھے۔ میری تو یہی دعا ہے۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئیں اور اس نے تلملا کر قریب پڑا ریموٹ انتہائی غصے سے اٹھا کر دور پھینک دیا۔

"میں کھیلوں گی اور ضرور کھیلوں گی۔ اور اب تو پوری طرح سے کھیلوں گی۔ تاکہ اسے بھی پتا چلے۔ اس کا معالج کون ہے۔؟"

وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آگئی۔!

✲ ✲ ✲

رات کا ایک بجا تھا جب اس کے سیل فون پہ اک بے چین سی رنگ بجی۔ لیکن وہ نظر انداز کیے لاپروا سی پڑی رہی مگر فون کرنے والے نے مستقل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار، دو بار، تین بار، اور پھر کئی بار ہی کال کرنے کا سلسلہ جاری رکھا اور اس نے تنگ آ کر سیل فون آف کر کے پرے اچھال دیا۔

"ہونہہ۔! اب نہیں ولید رحمان۔ اب نہیں۔ وہ وقت گزر چکا اب۔" عزت نے دانت پیس کر تلملاتے ہوئے کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

لیکن سیل فون آف کر دینے کے بعد بھی اسے ساری رات یہی احساس ہوتا رہا کہ وہ ساری رات ہی اس کا نمبر ٹرائی کرتا رہا۔ اور اسی احساس کے تحت وہ ٹھیک طرح سے سو بھی نہیں پائی اور صبح چھ بجے ہی اٹھ کر اپنے بیڈ روم سے باہر نکل آئی تھی۔

"عزت۔! کہاں جا رہی ہو بیٹا؟" رابعہ بیگم نماز پڑھ کے باہر نکلیں تو عزت کو گیٹ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔

"جاگنگ کے لیے جا رہی ہوں بہت سستی ہو رہی ہے کچھ دنوں سے۔" اس نے ذرا کی ذرا پلٹ کر جواب دیا اور دوبارہ قدم گیٹ کی طرف بڑھا دیے۔

"تیمور بھی کچھ دیر پہلے ہی نکلا ہے۔" انہوں نے پیچھے سے آواز دی اور عزت سنی ان سنی کرتی گیٹ کراس کر کے روڈ پہ آگئی۔

جاگنگ ایریا ان کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا اس لیے عزت اکثر پیدل ہی اس ایریا تک آجاتی اور یہی حال تیمور کا بھی تھا۔ وہ بھی پیدل ہی آتا ورنہ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو زیادہ دور سے آتے اور اپنی گاڑیوں یا بائیک پہ آتے تھے اور لڑکیاں تو اکثر سائیکل پہ آتیں۔

"عزت۔!" وہ جاگنگ ٹریک پہ بھاگتے بھاگتے کافی دور آنکلی تھی جب اسے پیچھے سے تیمور کی آواز سنائی دی۔ اور اس نے بمشکل رک کر پیچھے پلٹ کے دیکھا۔

"تمی بھائی۔۔۔؟" وہ بھی اتنے میں قریب آچکا تھا۔

"اتنا آگے کیوں جا رہی ہو۔۔۔؟ واپسی میں دیر ہو جائے گی۔۔۔؟" وہ قریب آکر رکا۔

"میں جتنا بھی آگے چلی جاؤں۔۔۔ مجھے واپسی میں دیر نہیں لگتی۔۔۔ فوراً "پلٹ آتی ہوں۔" عزت کا لہجہ عجیب سا ہو گیا جسے تیمور اپنی بے دھیانی میں سمجھ نہیں سکا۔

"اچھا۔۔۔ یعنی کہ بہت فاسٹ ہو تم۔۔۔؟" تیمور مسکرایا۔

"ہاں۔۔۔! اور فاسٹ لوگ اکثر بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔" وہ بھی جواباً "طنزیہ سا مسکرائی۔۔۔

"صبح صبح تمہاری ایسی عجیب و غریب اور الجھی الجھی سی باتیں میری سمجھ سے بالا تر ہیں' اس لیے پلیز کوئی اچھی سی بات کرو اور واپسی کی راہ لو۔" تیمور نے اسے خفگی سے گھورا۔۔۔

"صبح صبح میری باتیں تو الجھی الجھی سی ہیں لیکن خلاف معمول آپ کا موڈ بہت فریش نظر آ رہا ہے۔۔۔ اس فریش نیس کا ریزن۔۔۔؟" عزت نے اس کے ساتھ ساتھ واپسی کے لیے قدم بڑھائے۔۔۔

"انسان کی فریش نیس کا ریزن اس کے دل کی خوشی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟" تیمور بہت ریلیکس اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔

"اور آپ کے دل کی خوشی کا نام۔۔۔؟" وہ دونوں بہن بھائی جاگنگ ٹریک پہ بہت آہستہ رفتار سے بھاگ رہے تھے۔

"ماورا مرتضیٰ۔۔۔!" تیمور کو بھلا چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔

"ماورا مرتضیٰ۔۔۔ وہی جو فارہ کی۔" ۔۔۔ عزت چونکی۔

"ہاں۔۔۔! وہی۔۔۔" تیمور نے اس کی مشکل آسان کی۔

"کوئی بات چلی۔۔۔؟" عزت کو تجسس ہوا۔

"ہاہاہا۔۔۔!" تیمور اس کے سوال پہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور عزت اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔۔۔

"بات نہیں چلی۔۔۔ وہ فیصل آباد سے چلی اور کراچی آگئی۔" وہ خاصا لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"واٹ۔۔۔ کراچی۔۔۔ مگر کیسے۔۔۔؟ کب۔۔۔؟" عزت کی حیرانی اور تجسس بڑھ گیا۔

"بس کسی کو قریب لانے کے لیے یا کسی کے قریب جانے کے لیے دل میں لگن ہونی چاہیے۔۔۔ فاصلے خود بخود ہی سمٹ جاتے ہیں۔۔۔" تیمور کو اپنے کارنامے پہ فخر ہو رہا تھا۔۔۔

"لیکن بھائی کیسے۔۔۔؟" وہ جاننا چاہتی تھی۔

"وہ ہماری کمپنی کی ڈیزائنر کی سیٹ پر آئی ہے۔۔۔ میں نے اسے آفر کی تھی۔" بالآخر اس نے بتا ہی دیا۔

"اوہ اچھا۔۔۔! تو یہ سلسلہ ہے؟ ویسے ہے تو بہت خوب صورت۔۔۔ بہت اسٹرانگ سی لڑکی ہے۔" عزت کو وہ ورا سے ملاقات اچھی طرح یاد تھی۔

"بس یہی چیز تو ہے جو ہمیں لے ڈوبی۔" تیمور جانتا تھا کہ وہ کتنی اسٹرانگ ہے اسی لیے ذرا آہ بھر کے بولا۔

"یہ صرف پسندیدگی ہے یا محبت۔۔۔؟" عزت نے بھی وہی سوال کیا جس کا سامنا تیمور پہلے بھی کئی بار کر چکا تھا۔

"بات پسندیدگی سے ہی شروع ہوتی ہے' لیکن پھر رفتہ رفتہ یہی پسندیدگی محبت اور طلب کی حدود سے بھی آگے نکل جاتی ہے اور میرے جیسے دل کے ہاتھوں مجبور ہو جانے والے لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔" تیمور نے وضاحت ہی کچھ اس انداز میں دی تھی کہ عزت ساری سچویشن سمجھ گئی۔

"ہوں۔۔۔ تو یہ معاملہ ہے؟" وہ ذرا پر سوچ سے لہجے میں بولی۔

"ویسے اس کا رسپانس کیا ہے آپ کے اس معاملے کے حوالے سے۔۔۔؟" عزت کو ولید کا خیال آتے ہی ماورا کے رسپانس کا بھی خیال آگیا۔

"نہ بہت اچھا ہے۔۔۔ اور نہ ہی بہت برا۔۔۔" تیمور کو لگی لپٹی رکھنے کی عادت نہیں تھی۔۔۔

"کیوں۔۔۔؟ ایسا کیوں ہے؟ کیا کمی ہے آپ میں؟ اسے تو خوش ہونا چاہیے کہ تیمور حیدر اسے چاہتا ہے؟"

عزت آخر ایک بہن تھی فوراً ہی دل میں بھائی کی محبت کا ابال اٹھا تھا۔

"وہ اتنی عام سی بھی نہیں ہے کہ اس چھوٹی سی بات پر ہی خوش ہو جائے۔" تیمور ہنسا۔

"بھائی۔۔۔!" عزت خفگی سے بولی تھی اور تیمور نے مسکراتے ہوئے ذرا ٹھہر کر عزت کے کندھے کے گرد اپنا بازو حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے قریب کر لیا۔

"ارے ڈونٹ وری میری جان۔۔۔! سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ فی الحال میرے لیے یہی بہت ہے کہ وہ میرے پاس جاب کر رہی ہے' میری دسترس میں اور میری نظروں کے سامنے ہے۔۔۔ ورنہ جب وہ فیصل آباد میں تھی تب بہت بے سکونی تھی میرا بس نہیں چلتا تھا کہ میں کیا کروں۔۔۔؟ مگر اب۔۔۔ اب سب کچھ ٹھیک ہے۔۔۔ رفتہ رفتہ سب سیٹ ہو جائے گا۔"

تیمور نے اسے تسلی دی تھی اور عزت چپ کی چپ رہ گئی۔

"تو کیا بھائی کو بھی ان کے دل نے ویسے ہی مجبور کیا۔۔۔ جیسے مجھے کیا۔۔۔ ولید رحمان میری ذات سے انکاری۔۔۔ اور ماورا مرتضیٰ ان کی ذات سے انکاری۔۔۔ اف اللہ یہ کیسی آزمائش ہے۔۔۔؟" عزت کا دل کانپ گیا اور اس نے بے ساختہ تیمور کی دلی خوشی کے لیے دعا کی۔

"عزت۔۔۔!" گھر کے قریب پہنچ کر اس نے عزت کو متوجہ کیا۔

"جی۔۔۔؟" وہ چونکی۔

"کہاں گم ہو گئی ہو۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ کہیں بھی نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا بات ہے۔ کچھ اپ سیٹ سی لگ رہی ہو۔۔۔؟ کوئی پرابلم تو نہیں ہے؟"

بالآخر تیمور کو محسوس ہو ہی گیا۔

"نو پرابلم۔ ایوری تھنگ از رائٹ۔ یو ڈونٹ وری۔۔۔" وہ آہستگی سے کہتی تیمور کے کندھے سے الگ ہو کر گیٹ کی طرف بڑھی۔۔۔

"عزت۔۔۔!" تیمور نے اسے پھر سے آواز دی۔

"ارے بھائی۔۔۔! آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔۔۔؟ میں رات میں جاگتی رہی ہوں اس لیے اب طبیعت کچھ ایسی ہو رہی ہے۔" وہ سستی سے بولی۔

"رات میں کیوں جاگتی رہی ہو۔۔۔؟" اس نے اگلا نکتہ اٹھایا۔

"ایک فرینڈ پریشان تھی اس کے ساتھ چیٹ ہوتی رہی۔۔۔" عزت نے انتہا سید ھا بہانہ گھڑ کے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

"آر یو شیور۔۔۔ یہی بات ہے یا کچھ اور۔۔۔؟" وہ اسے سرتاپا گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"یس۔۔۔ شیور۔۔۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور تیمور اس کے سر ہلانے پہ چپ ہو گیا۔

"او کے جاؤ۔ ناشتا کرو۔ اور یہ رات رات بھر جاگا نہ کرو صحت خراب ہوتی ہے۔"

اس نے جاتے جاتے اسے ہدایت دی اور عزت پلٹ کر اندر آگئی اور اس کے پیچھے تیمور بھی آگیا۔

✲ ✲ ✲

"مے آئی کم ان سر۔؟" دروازے پہ ہلکی سی دستک کے بعد ماورا مرتضیٰ کی آواز ابھری تھی اور اپنے لیپ ٹاپ پہ بزی تیمور حیدر اس کی آواز پہ چونک کر متوجہ ہوا۔

"یس کم ان۔!" وہ اجازت دے کر دوبارہ سے لیپ ٹاپ کی طرف مڑا۔ اور اپنی اک ضروری فائل کلوز کرنے لگا۔ اتنے میں ماورا اس کی ٹیبل کے قریب آچکی تھی۔

"پلیز سٹ ڈاؤن۔!" تیمور نے اس کی طرف دیکھے بغیر اسے مقابل کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تھینک یو۔!" ماورا فائل ٹیبل پر رکھتے ہوئے خود کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

جبکہ تیمور اپنے کام میں مصروف تھا اور ماورا اسے بزی دیکھ کر کافی لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے آفس کی سیٹنگ۔ کلر کمبی نیشن۔ دیواروں پہ لگی پینٹنگز۔ بچھا ہوا ماربل فرش۔ گلاس وال۔ کرسٹل ٹیبل۔ فائلز اور لیپ ٹاپ۔ اور لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر متحرک اس کے مضبوط ہاتھ اور ہاتھوں سے بڑھتے بڑھتے اس کی نظر تیمور حیدر کے خوب صورت اور وجیہہ چہرے پر جا ٹھہری تھی۔ وہ اپنے کام اور اپنے دھیان میں پورے انہماک سے مصروف تھا۔

اور اس کی اسی مصروفیت نے ماورا کو بھی آمادہ کر ڈالا تھا۔ وہ گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگی۔ جو تیمور بھی محسوس کر گیا۔ جب ہی وہ اچانک اس کی سمت پلٹا اور ماورا اپنی محویت پہ گڑبڑا گئی۔

"ہاں مس ماورا مرتضیٰ۔ فرمایئے۔؟" تیمور اس کے گڑبڑانے پہ خاصا لطف اندوز ہوا مگر اپنی مسکراہٹ دبا گیا یہاں تک کہ لہجے کو بھی متبسم نہیں ہونے دیا۔

"آپ نے بلایا تھا غالباً"۔ ماورا نے اسے یاد دلایا کہ وہ اس کے بلانے پہ آئی ہے۔

"او ہاں۔! وہ دراصل میں چاہ رہا تھا کہ آپ خود ایک بار فیکٹری کا وزٹ کریں۔ اور ورکرز کے ساتھ جو بھی ڈسکشن چاہتی ہیں وہ کریں۔ کیونکہ اس طرح فون پہ یا آن لائن سمجھانے سے کچھ نہیں ہوگا آپ ابھی نئی ہیں اس لیے اپنے ورکرز اور کولیگز سے ملنا بہت ضروری ہے آپ کے لیے۔"

تیمور مکمل طور پر باس کے روپ میں تھا اور انداز کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی ویسا ہی تھا۔ پروفیشنل۔!

"او کے۔! لیکن آدھے گھنٹے بعد۔ کیونکہ فی الحال میری ٹیبل پہ بھی کام ادھورا پڑا ہے۔ مجھے آج ایک ڈیڈ لائن کمپلیٹ کرنا تھا۔" ماورا نے دو ٹوک انداز میں وقت مانگا۔

"ٹھیک ہے آپ کمپلیٹ کرلیں تب تک میں بھی فارغ ہو جاتا ہوں۔" تیمور نے اثبات میں سر ہلایا اور ماورا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ وہ فائل ہے جس پہ کل کام کیا تھا۔" ماورا جاتے جاتے اسے چند سیمپل دے گئی جن کو دیکھتے ہوئے تیمور کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

"سر! گاڑی تیار ہے۔ اور مس ماورا بھی آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" پیون کی آواز پہ تیمور بری طرح چونکا۔

"او مائی گاڈ۔ ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا؟" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے تیزی سے فائل سمیٹ کر اٹھا اور اپنا موبائل اور دیگر چیزیں لے کر آفس سے باہر نکل آیا۔

اور جیسے ہی آفس بلڈنگ سے نکل کر نیچے آیا ماورا کو گاڑی کے پاس انتظار کرتے دیکھ کر قدم ٹھٹک سے گئے۔

وہ بے بی پنک کلر کے سوٹ میں ملبوس چہرے کے گرد اچھی طرح دوپٹے کا ہالہ بنائے بلیک گلاسز لگائے کھڑی تھی

لیے اسے بے پناہ دلکش سی لگی۔ اور اس پہ اتفاق یہ کہ آفس سے باہر نکلتے ہوئے وہ خود بھی بلیک گلاسز پہن گیا۔

"سر پلیز!" ڈرائیور نے آگے بڑھ کے دروازہ کھولتے ہوئے اسے متوجہ کیا تھا۔

"آج مس سحرش نہیں آئیں؟" ماورا نے اس کے برابر گاڑی کی بیک سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے جان بوجھ کر یہ ذکر چھیڑا تھا۔ تاکہ تھوڑی دیر پہلے والے احساس کا اثر زائل ہو جاتا۔

"ان کے فادر اسپتال میں ایڈمٹ ہیں اس لیے وہ تین دن کی چھٹی پہ ہیں۔" تیمور بھی سنبھل چکا تھا۔

"اور فاروقی صاحب۔؟" نیا سوال سوجھا۔

"وہ آل ریڈی فیکٹری میں ہی ہیں۔" تیمور سمجھ گیا تھا کہ وہ خاموشی کے اس تسلسل کو قائم نہیں ہونے دے رہی بار بار خود ہی خلل ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے۔

"اور پوچھیے۔؟" تیمور نے اگلا سوال خود ہی کر دیا اور ماورا ٹھٹک گئی کیونکہ وہ اس کے "اور پوچھیے" کا مجسم سا مفہوم سمجھ گئی تھی۔

"میں ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہوں۔" ماورا کب سے اسے کہنا چاہتی تھی مگر اسے موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ اب وہ اس سے بات کر پائی۔

"رئیلی۔؟" تیمور کو اچنبھا ہوا کہ وہ سیریس ہے یا یونہی بات سے بات نکالنے کی غرض سے کہہ رہی ہے۔

"ہوں۔۔۔! میں واقعی ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہوں' کیونکہ یہ میرے گھر کی ضرورت ہے' کمپنی کی طرف سے گاڑی کی سہولت تو ہے مگر ایک ڈرائیور بلاوجہ میرے گھر کے باہر میرے انتظار میں کھڑا رہے مجھے یہ پسند نہیں ہے' ملازم بھی آخر انسان ہی ہوتے ہیں' اس لیے بہتر ہے کہ میں یہ کام خود سیکھ لوں اور سب کو آسانی بخش دوں۔ آپ کو بھی اور آپ کے ڈرائیور کو بھی۔" ماورا کو بات کرنے کے لیے ایک اچھا ٹاپک میسر آ گیا تھا۔

"آپ کو میری یا میرے ڈرائیور کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ملازم آخر انسان ہی ہوتے ہیں اور انسان اپنے کام کے پیسے لیتے ہیں' ایک ڈرائیور اگر آپ کے گھر کے باہر آپ کے انتظار میں بلاوجہ کھڑا رہتا ہے تو یہ اس کا احسان نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس کھڑے رہنے کا بھی معاوضہ لیتا ہے۔ اور یہ کھڑا رہنا ہی اس کا کام ہے۔"

تیمور نے کہا تو وہ چند ثانیے کے لیے چپ سی ہو گئی تھی۔

"یعنی۔۔۔ مجھے ڈرائیونگ نہیں سیکھنی چاہیے؟" وہ جان بوجھ کر اس کی بات کو الٹے رخ پہ لے گئی تھی۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا؟" تیمور ہنوز مسکرا رہا تھا۔

"دلائل تو کچھ ایسے ہی دے رہے ہیں؟" ماورا کا انداز سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔

"میں نے سنا تھا کہ لڑکیاں دلائل سے قائل ہو جاتی ہیں اس لیے۔" وہ حظ اٹھا رہا تھا' کچھ لڑکیوں کے تجربے اور مشاہدے کی بنا پر سب کو ایک جیسا سمجھ لینا بہت بڑی بے وقوفی ہے' کیونکہ اکثر تجربات غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔" ماورا کے لہجے میں استہزائیہ سا رنگ تھا۔

"آپ کے معاملے میں تو کچھ زیادہ ہی غلط ثابت ہو رہے ہیں۔" وہ جواباً" آہستگی سے بولا مگر ماورا اس کی یہ خود کلامی با آسانی سن چکی تھی۔

"بہرحال جو میں نے بات کی وہ تو وہیں کی وہیں رہ گئی۔؟" ماورا نے پھر سے یاد دلایا۔

"اوکے۔ آپ ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے۔ میں آپ کا کسی اچھے ڈرائیونگ سینٹر میں ایڈمیشن کروا دوں گا آپ ایک دو دن میں جوائن کر لیجیے گا۔"

تیمور کو بھلا کیا پرابلم تھا اس نے فوراً" ہامی بھر لی تھی۔

"تھینک یو...!" اس نے بہت نپے تلے سے انداز میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"یو ویلکم...! مگر ایک بات بتائیں! جب آپ ڈرائیونگ سیکھ جائیں گی تو سب سے پہلے ڈرائیو پہ کس کو لے کر جائیں گی؟ اپنی کسی فرینڈ کو یا کسی فیملی ممبر کو...؟"

تیمور نے کافی دلچسپی سے پوچھا تھا اور گاڑی کی گلاس ونڈو سے باہر دیکھتی ماورا نے بڑے تحمل سے گردن موڑ کر تیمور حیدر کے چہرے کی سمت دیکھا اور ذرا توقف سے جواب سے نوازا...

"آپ کو...!" انتہائی سکون سے کہا گیا یہ لفظ تیمور کو یکدم ٹھٹکا گیا تھا اس نے فوراً" ماورا کے چہرے کی طرف دیکھا تھا مگر اتفاق یہ تھا کہ دونوں ہی ایک دوسرے کی آنکھوں کے تیور نہیں بھانپ سکے تھے کیونکہ آنکھوں پہ گلاسز کا پردہ تھا۔

"مجھے...؟" تیمور کو پتا نہیں عجیب سا لگا تھا کہ یقین نہیں آیا۔ مگر پھر بھی دل میں ایک بلکی سی خوشی نے ضرور سر اٹھایا تھا۔

"ہاں آپ کو... کیونکہ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ اس طرح گاڑی کی بیک سیٹ پہ بیٹھ کر سفر کرنا اچھا لگتا ہے یا آگے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کر...؟"

ماورا باتوں باتوں میں ہی کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھی اور تیمور اپنے دل کو دل ہی دل میں سنبھل جانے کی تنبیہہ کرتا رہ گیا تھا۔

"یہ سفر تو ہم ابھی کر سکتے ہیں... اس ڈرائیونگ سیٹ پہ میں جا سکتا ہوں... اور آپ..."

"لیکن یہ میری کامیابی کا دن نہیں ہے۔ میری کامیابی کا دن وہ ہوگا" جب میں ڈرائیونگ سیکھوں گی... اور گاڑی کو ہواؤں پہ چھوڑ دوں گی۔ مگر آپ کو ساتھ لے کر کیونکہ میری ہر کامیابی میں اب آپ کا ہاتھ ہے... اور جس کام میں آپ کا ہاتھ میرے ساتھ ہے' اس کام میں آپ کا ساتھ بھی تو میرے ساتھ ہونا... چاہیے نا؟" ماورا سرا سر اس کے ساتھ کھیل رہی تھی لیکن تیمور بچوں کی طرح اس کے دام میں آگیا تھا۔

"سر...!" گاڑی فیکٹری کے پارکنگ ایریا میں رک چکی تھی اور ماورا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے چونکا دیا تھا۔

"ہوں...! آیئے۔" وہ کہہ کر گاڑی سے اتر گیا اور پھر دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے فیکٹری کے اندر آگئے جہاں فاروقی صاحب پہلے سے ہی ان کے انتظار میں کھڑے تھے۔

☼ ☼ ☼

"ولید... کیا بات ہے...؟ تم دو تین روز سے بہت پریشان سے نظر آرہے ہو؟"

جیسے ہی وہ تیار ہونے کے بعد ناشتا کرنے کے لیے بیٹھا زبیدہ بیگم نے اپنی تشویش کا اظہار کر دیا... وہ پچھلے دو تین روز سے اسے نوٹ کر رہی تھیں۔

"نہیں ویسی کوئی بات نہیں ہے' بس ملکی حالات کی کشیدگی کے باعث ہر فیلڈ میں بہت سے کرائسس چل رہے ہیں اسی وجہ سے ہمارا ذہن بھی کچھ ایسا ہی کشیدہ ہو جاتا ہے۔" ولید نے بہت اچھے طریقے سے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"ملکی حالات کی کشیدگی کے باعث... یا ذاتی جذبات کی کشیدگی کے باعث؟" زبیدہ بیگم کا سوال بہت گہرا تھا' ولید ماں کی عمیق نظر پہ ایمان لے آیا تھا۔

"آپ سے یہ کس نے کہا؟" اس نے پھر بھی چھپانا ہی چاہا تھا۔

"تمہاری ان کھلی کتاب سی آنکھوں نے۔ روز پتا چلتا ہے کہ رات کو تارے گنتے ہو۔ سوتے نہیں ہو۔" زبیدہ بیگم اس کی کیفیت بیان کررہی تھیں۔

"جس آدمی کے پاس کرنے کو کچھ نہیں ہوتا، وہ رات کو تارے ہی گنتا ہے۔" ولید ہلکی سی تلخی سے کہہ کر ناشتے کی طرف متوجہ ہوا تھا جبکہ زبیدہ بیگم کی الجھن اور تشویش میں اور اضافہ ہوگیا تھا۔

"کیوں۔۔۔؟ تمہارے پاس کچھ کرنے کو کیوں نہیں ہے۔ سارا دن بھر کام کرتے ہو، بلکہ رات رات بھر کام میں بزی رہتے ہو، تھک جاتے ہو، پھر بھی تمہیں نیند نہیں آتی اور تم سوتے نہیں ہو۔"

"اف امی۔۔۔! آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں سوتا نہیں ہوں۔۔۔؟" ولید ان کی فکرمندی دور کرنے کی غرض سے موڈ بدل کر بولا۔

"تمہاری آنکھوں کی سرخی کہتی ہے کہ تم سوتے نہیں ہو۔" وہ بھی اپنی بات پہ بضد تھیں۔ "میری آنکھوں کی سرخی غلط کہتی ہے کیونکہ میں سوتا ہوں، لیکن بس تھوڑی دیر۔۔۔ نیند پوری نہیں ہوتی اس لیے یہ کم بخت چغلی کردیتی ہیں۔" ولید نے اپنی آنکھوں کو کوسا۔

"دیکھو ولید! کوئی بات ہے تو صاف صاف بتاؤ۔ ماؤں سے چھپانا ٹھیک نہیں ہوتا۔" انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"ہونہہ۔۔۔ ماؤں کو بتانا بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھر رتجگوں کی یہی سرخی ماؤں کی آنکھوں کو گھیر لیتی ہے اور پھر ماؤں کی نیند پوری نہیں ہوتی۔" ولید بڑے سکون اور بڑے پیار سے کہتا چائے کا کپ واپس رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ولید۔۔۔! یہ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو تم۔۔۔؟ اور ناشتا بھی ٹھیک سے نہیں کیا تم نے۔۔۔" زبیدہ بیگم تڑپ ہی تو گئی تھیں، وہ صرف چائے پی کر ہی اٹھ گیا تھا۔

"بھوک نہیں ہے۔ رات کو کھانا کھاؤں گا گھر آکر۔ اور پھر تارے گنوں گا، او کے۔۔۔؟" وہ ان کو ٹالنے کے لیے اور بہلانے کے لیے کہتا ہوا ان کی پیشانی چوم کر ان کے ہاتھ کو تھپکتا ہوا اپنا بیگ لے کر تیزی سے گھر سے نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ولید رحمان کہاں ہے آج کل۔۔۔؟" یونیورسٹی کے گیٹ سے نکلتے ہوئے ساشا کو بے ساختہ ولید کا خیال آیا۔

"جان بخش دی اس کی۔۔۔" عزت کا انداز لاپروا سا تھا۔

"جان بخش دی اس کی؟ کیا مطلب۔۔۔؟" ساشا کو گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے جھٹکا لگا۔

"مطلب۔۔۔ آزاد کردیا اسے۔" اس کی وہی لاابالی اور لاپروا سی عادت تھی۔

"مگر کیوں عزت۔۔۔؟ اچانک یہ سب کیوں۔۔۔؟" ساشا گاڑی کا لاک کھولنا بھی بھول گئی۔ "کیونکہ وہ میرے ساتھ چلنا نہیں چاہتا تھا اور میں اسے زبردستی گھسیٹ رہی تھی۔"

"مگر عزت! وہ ایک اچھا آدمی تھا۔ ساشا پہلے ولید کی ذات سے اختلاف ہی کرتی آرہی تھی مگر جب سے اسے قارہ کی شادی میں دیکھا اسے بھی وہ بہت اچھا لگا تھا اور عزت کے ساتھ اس کی جوڑی پسند آئی تھی۔

"لیکن مجھے اتنا اچھا آدمی نہیں چاہیے جو اپنی ذات، اپنی چاہ اور اپنے دل کے لیے بھی کچھ نہ کرسکے۔" عزت نے غصے سے سر جھٹکا۔

"کیا کرنا چاہیے تھا اسے۔۔؟" ساشا کو حیرت ہوئی۔

"مجھ سے اظہار کرنا چاہیے تھا' مجھے پروپوز کرنا چاہیے تھا اسے۔۔۔ میری محبت کی قدر کرنی چاہیے تھی اسے' مگر۔۔ مگر اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔۔۔ وہ ڈرتا ہے دنیا داری اور جو دنیا داری سے ڈرتے ہیں وہ دل داری بھی نہیں کرپاتے۔" عزت نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا۔

وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے لگی تھی کہ اچانک ہی اسے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"عزت۔۔! آپ میرے ساتھ چلیں گی پلیز۔۔؟" عزت نے یکدم گردن موڑ کر دیکھا اور سامنے کھڑے مونس مرزا کو دیکھ کر اس کے دماغ کی گھومتی ہوئی سوئی ایکدم ہی ایک ہی نقطے پر رک گئی تھی۔

"بس زیادہ دیر نہیں۔۔۔ لنچ کے بعد آپ کو ڈراپ کردوں گا۔" مونس مرزا اس وقت کافی زیادہ شرافت کے لبادے میں کھڑا نظر آرہا تھا۔

جبکہ عزت کو اچھی طرح علم تھا کہ وہ اتنا بھی شریف نہیں ہے' اسی لیے وہ اسے انکار کرنے ہی والی تھی کہ اس کا سیل فون بج اٹھا اور جیسے ہی سیل فون پہ جگمگاتے ولید رحمان کے نمبر پہ نظر پڑی اس کے اعصاب تن گئے اور اس نے محض چند سیکنڈ سوچنے کے بعد اک نظر ساشا کو دیکھا اور اک نظر اپنے سیل فون کو۔ اور پھر دوسری نظر مونس مرزا پہ ڈالتے ہوئے وہ انہی قدموں پہ پلٹ گئی تھی۔۔۔ وہ بھی مونس مرزا کی سمت۔۔!

"اوکے ساشا! تم گھر جاؤ۔۔ تم سے بعد میں بات ہوگی۔" عزت بڑی لاپروائی سے کہتی مونس مرزا کے ساتھ چل دی تھی لیکن ساشا جن قدموں پہ کھڑی تھی انہی پہ جوں کی توں کھڑی رہ گئی۔ اور ان کی گاڑی زناٹے سے پاس سے گزر گئی تھی۔

"ہیلو مس ساشا!" کسی نے اسے پکارا تھا۔

"ہوں۔۔!" ساشا نے غائب دماغی سے ہوں کہا۔

"میں ولید۔۔۔ ولید رحمان۔۔!" اس نے اپنا تعارف کروایا اور ساشا یکدم کرنٹ کھا کے رہ گئی۔

"ولید رحمان۔۔؟" اس نے پلٹ کر ولید کی طرف دیکھا اور زیر لب کپکپا کے اس کا نام دہرایا تھا۔

"آپ۔۔ آپ یہاں۔۔۔؟" ساشا کو اپنے تاثرات کنٹرول کرنا مشکل ہوگیا تھا۔

"جی وہ دراصل مجھے عزت سے ملنا تھا۔ میں کافی دیر سے ان کے سیل پہ ٹرائی کررہا ہوں مگر کبھی کال ریسیو ہی نہیں ہوتی کبھی ملتی ہی نہیں۔" وہ بائیک سے نیچے اتر آیا تھا۔

"لیکن وہ تو چلی گئی۔" ساشا کو بتاتے ہوئے بہت عجیب سا محسوس ہوا۔

کیونکہ ولید رحمان کے چہرے پہ صاف لکھا تھا کہ اسے ڈھونڈتے ہوئے بڑی مشکلوں سے یہاں تک آیا ہے۔

"کہاں چلی گئی۔۔؟" ولید کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"مونس مرزا کے ساتھ۔۔۔" ساشا کے منہ سے نکلے ہوئے اس جملے نے ولید رحمان کو یکدم دھجیوں میں بکھیر کے رکھ دیا تھا اور اس کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

"مونس مرزا کے ساتھ۔۔۔؟" اب کی بار اس نے زیر لب دہرایا تھا لیکن اسے اپنی یہ مدھم سی آواز بھی کسی گہرے پاتال میں سے آتی سنائی دی۔

اور اسے یوں لگا تھا کہ جیسے کچھ عرصہ پہلے یونیورسٹی کے اسی پارکنگ ایریا میں ہونے والا بم بلاسٹ آج ایک بار پھر بلاسٹ ہوگیا تھا اور اس کا نشانہ صرف ولید رحمان بنا تھا۔

اور اس کے دل و دماغ کئی حصوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔

شاید اس لیے بھی کہ عزت حیدر نے جہاں سے یہ سلسلہ شروع کیا تھا وہیں پہ یہ سلسلہ ختم کرگئی تھی۔۔ اور ولید

رحمان کے پاس اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔
ساشا خاموشی سے گاڑی لے کر چلی گئی اور وہ وہیں کھڑا دیکھتا رہ گیا۔

✿ ✿ ✿

ماورا اپنے کام میں مصروف تھی جب اس کے فون پہ بیل ہوئی۔ موبائل نکال کر دیکھا تو فارہ کا نمبر نظر آیا۔
ہیلو! اس نے ذرا دیر کے لیے کام کا سلسلہ ترک کرتے ہوئے کال ریسیو کرلی۔
"محترمہ ماورا مرتضیٰ زندہ ہیں کیا؟" فارہ جل کر بولی تھی۔
"گزر گئی ہوتی تو آپ کو بھی اطلاع پہنچ گئی ہوتی۔" ماورا نے بھی بڑے مزے سے جواب دیا تھا۔
"لیکن اب میرا خیال ہے کہ میرے ہاتھوں گزر ہی جائے گی۔" فارہ نے دانت کچکچائے تھے۔
"وجہ؟" ماورا ساتھ ساتھ اپنا کام بھی کر رہی تھی کیونکہ اسے تیمور کے آنے تک یہ کام ختم کرنا تھا۔
"وجہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو؟ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے بندہ اس طرح غائب ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہ ہو؟ کیا اسی لیے دعائیں مانگی تھیں میں نے؟"
"او کے یار او کے۔ کل سنڈے ہے۔ کل ملتے ہیں۔" ماورا نے اسے تسلی دی۔
"آج کیوں نہیں؟" فارہ بضد ہوئی۔
"آج تھوڑی مصروفیت ہے۔ آفس کے بعد ڈرائیونگ سینٹر جانا ہے۔ آج میرا پہلا دن ہے۔"
"ارے واہ۔ تم ڈرائیونگ سیکھ رہی ہو؟" فارہ کو سن کر خوشی ہوئی تھی۔
"ہاں۔ ماورا ابھی اور بھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔" ماورا کا لہجہ بدلا۔
"او کے۔ پھر ٹھیک ہے۔ تم سیکھو اور کل لازمی ملنا ہے۔" فارہ نے بات ہی بدل دی۔
"او کے۔ اللہ حافظ۔" ماورا نے بھی فون رکھ دیا۔
اور جیسے ہی وہ ذرا سی سیدھی ہوئی فاروقی صاحب کے ساتھ اندر داخل ہوتے رضا حیدر کو دیکھ کر ٹھٹک گئی اور یہی حال رضا حیدر کا بھی ہوا۔ وہ اسے دیکھ کر بری طرح چونکے اور ان کے چہرے کا رنگ متغیر سا ہو گیا۔
"السلام علیکم سر!" ماورا نے بڑے اعتماد سے پہل کی تھی۔
لیکن رضا حیدر کی طرف سے جواب ندارد۔
"سر! یہ ہماری نئی ایمپلائی ہیں ماورا مرتضیٰ۔ فیصل آباد سے آئی ہیں۔"
فاروقی صاحب نے تعارف کروایا تھا جبکہ رضا حیدر لب بھینچے فقط سر ہلا کر واپس پلٹ گئے اور ان کا رخ اب تیمور حیدر کے کمرے کی طرف تھا۔
"تیمور!" ان کی آواز خاصی بلند تھی۔
وہ یک دم دروازہ کھول کر اندر آگئے تھے جبکہ تیمور ان کی اتنی بلند آواز اور ایسے تیور دیکھ کر اپنی جگہ سے ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔
"جی بابا جان خیریت؟" اس کے لہجے میں احترام اور تشویش دونوں کی آمیزش تھی۔
"تو تم اس لڑکی کو فیصل آباد سے یہاں اٹھا لائے۔" وہ دبے لہجے میں غرائے تھے۔
(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)